رسائل و مسائل

جماعتِ اسلامی اور طریقِ انتخاب

سوال:- مجھے آپ کی خدمت میں ایک وضاحت پیش کرنا ہے۔ میں نے کچھ عرصہ قبل اپنی ذاتی حیثیت میں تجربۃً دس سالوں کے لیے مخلوط انتخاب کی حمایت کی تھی۔ اپنے حق میں دلائل دینے کے ساتھ ہی میں نے یہ بھی کہا تھا کہ مخلوط انتخاب کی مخالفت میں سب سے اونچی آواز جماعتِ اسلامی کی طرف سے اٹھائی جا رہی ہے۔ پھر میں نے کم و بیش مندرجہ ذیل الفاظ کہے تھے "جماعتِ اسلامی میں ایسے لوگ ہیں جن کے لیے میرے قلب و جگر میں انتہائی احترام و عقیدت کا سرمایہ ہے لیکن میں یہ بھی جانتا ہوں کہ جماعت نے پاکستان کے لیے جد و جہد نہیں کی تھی اور اگر ہندستان تقسیم نہ ہوتا تو کیا اس صورت میں متحدہ ہندستان میں جماعت اسلامی جداگانہ انتخابات کے حق میں آواز بلند کرتی؟" اس کے بعد جماعت کے بعض دوستوں نے مجھ سے گلہ کیا۔ میں نے اُن سے عرض کیا کہ میں ایک دلیل تعمیر کر رہا تھا جس سے مقصود جماعتِ اسلامی پر حملہ کرنا نہیں تھا بلکہ اپنے نقطۂ نگاہ کے جواز میں وزن پیدا کرنا تھا۔ میں نے آپ کی خدمت میں بھی اس صراحت کو پیش کرنا ضروری سمجھا تاکہ غلط فہمی رفع ہو جائے۔"

جواب:- میں نے اخبارات میں آپ کی تقریر کی رپورٹ تو پڑھی تھی لیکن میرے دل میں کوئی شکایت پیدا نہیں ہوئی۔ آپ جانتے ہیں کہ اس سے بہت زیادہ باتیں دوسرے کہتے اور لکھتے رہے ہیں اور مجھے کبھی کسی سے کوئی شکایت پیدا نہ ہوئی۔ اس لیے آپ کی وضاحت میرے لیے تو غیر ضروری ہی تھی۔ تاہم میں آپ کا شکر گزار ہوں کہ آپ نے بطورِ خود اس کی ضرورت محسوس کی۔

البتہ مخلوط انتخاب کے حق میں استدلال کرتے ہوئے جو بات آپ نے جماعتِ اسلامی کے بارے

میں کہی ہے وہ بجائے خود صحیح نہیں ہے۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ آپ نے پہلے بھی جماعت کی پوزیشن سمجھنے کی کوشش نہیں کی تھی اور اب بھی آپ اسے صحیح طور پر نہیں سمجھے ہیں۔ پاکستان کے قیام کی جدوجہد میں جماعت کی عدم شرکت سے یہ نتیجہ نکالنا کہ جماعت تقسیم کی مخالف تھی یا متحدہ ہندستان کی حامی تھی، ایک بہت ہی غلط استنتاج ہے۔ اگر آپ میری اُس زمانے کی تحریریں تفصیل کے ساتھ پڑھیں تو آپ کو معلوم ہو کہ میں اُس رہنمائی اور اُس طریق کار سے غیر مطمئن تھا جو مسلمانوں کے مسئلے کو حل کرنے کے لیے ایک طرف مسلم نیشلسٹ گروہ اور دوسری طرف نیشلسٹ مسلم گروہ پیش کر رہا تھا۔ دونوں کے متعلق میرے اُس وقت کے جو اندازے تھے بعد میں وہ لفظ بلفظ پورے ہوئے اور ہو رہے ہیں۔ اسی عدم اطمینان کی وجہ سے میں ان دونوں سے الگ رہا اور جو کچھ میرے نزدیک درست تھا اس کے لیے کام کرتا رہا۔ تقسیم ملک کی مخالفت اگر میں نے کسی روز کی ہو تو آپ اس کا حوالہ دیں۔ یا متحدہ قومیت یا متحدہ ہندستان کی تائید میں کبھی میں نے کوئی بات کہی ہو تو اس کی نشان دہی بھی آپ فرما دیں۔ ایسی کسی چیز کی غیر موجودگی میں مجھ سے یا جماعتِ اسلامی سے یہ سوال کرنا کیسے صحیح ہو سکتا ہے کہ اگر ہندستان متحد رہتا تو کیا تم جداگانہ انتخاب کا مطالبہ کرتے۔

اس کے علاوہ اس معاملے میں ایک پہلو اور بھی ہے جسے آپ نظر انداز کر رہے ہیں اور وہ یہ ہے کہ غیر اسلامی نظامِ حکومت کے ساتھ کسی قسم کے تعاون یا اس میں کسی طرح کی حصہ داری کو جماعتِ اسلامی اصولاً غلط سمجھتی ہے۔ اسی وجہ سے تقسیم سے قبل کے انتخاب میں ہم نے سرے سے دلچسپی ہی نہیں لی۔ اگر خدانخواستہ ہندستان متحد رہتا اور اس میں سیکولر نظام قائم ہوتا تو اس کے لادینی نظامِ حکومت کے انتخابات میں حصہ لینے کے سرے سے ہم قائل ہی نہ ہوتے، پھر جداگانہ یا مخلوط انتخاب کا سوال اُس نظام میں ہمارے لیے کیسے پیدا ہوتا؟ جماعتِ اسلامی اس طرح کے لادینی نظام میں کام کرنے کا جو نقشہ اپنے سامنے رکھتی تھی اُسے جماعت کے لٹریچر میں وضاحت کے ساتھ پیش کر دیا گیا تھا۔ آپ ہمارے اس طریق کار کو غلط سمجھنے اور کہنے کا حق رکھتے ہیں، مگر ہمارے حقیقی منشا کے خلاف ہماری باتوں کو یہ معنی پہنانا کہ ہم متحدہ ہندستان کے طالب اور تقسیم ملک کے مخالف تھے، ایک

ایسی زیادتی ہے جس کی ہم کم از کم آپ جیسے معقول آدمیوں سے توقع نہیں رکھتے۔

بیوی اور والدین کے حقوق

سوال: میں نے آپ کی کتابیں پڑھی ہیں جن سے ذہن کی بہت سی گرہیں کھل گئی ہیں لیکن ایک چیز جو پہلے بھی دل میں کھٹکتی تھی اور اب بھی کھٹکتی ہے وہ یہ ہے کہ اسلام نے جہاں عورتوں کا درجہ کافی بلند کیا ہے، وہاں بحیثیت بیوی کے بعض امور میں اس کو حقیر بھی کر دیا ہے۔ مثلاً اس پر تین تین سوکنوں کا جلاپا جائز کر دیا ہے، حالانکہ قدرت نے عورت کی فطرت میں حسد بھی رکھا ہے۔ اسی طرح جہاں بیوی کو شوہر کے قبضہ و اختیار میں رکھا گیا ہے، وہاں شوہر کو اپنے والدین کے قبضہ و اختیار میں کر دیا ہے۔ اس طرح شوہر والدین کے کہنے پر بیوی کی ایک جائز خواہش کو بھی پامال کر سکتا ہے۔ ان امور میں بظاہر بیوی کی حیثیت چار پیسے کی گڑیا سے زیادہ نظر نہیں آتی۔ میں ایک عورت ہوں اور قدرتی طور پر عورت کے جذبات کی ترجمانی کر رہی ہوں۔ آپ براہ کرم اس بارے میں میری تشفی فرمائیں۔

جواب: آپ نے دو وجوہ کی بنا پر یہ خیال ظاہر کیا ہے کہ عورت کی پوزیشن خانگی زندگی میں فروتر رکھی گئی ہے۔ ایک یہ کہ مرد کو چار چار شادیاں کرنے کی اجازت ہے۔ دوسرے یہ کہ شوہر کو والدین کا تابع رکھا گیا ہے جس کی وجہ سے بسا اوقات وہ اپنی بیوی کے جذبات اور اس کی خواہشات کو والدین کی رضا پر قربان کر دیتا ہے۔ ان وجوہ میں سے پہلی وجہ پر اگر آپ غور کریں تو یہ بات بہت آسانی کے ساتھ آپ کی سمجھ میں آسکتی ہے کہ عورت کے لیے تین تین سوکنوں کا برداشت کرنا جتنا تکلیف دہ ہے، اس سے بدرجہا زیادہ تکلیف دہ چیز اس کے لیے یہ ہو سکتی ہے کہ اس کے شوہر کی کئی کئی محبوبائیں اور داشتائیں ہوں۔ اسلام نے اسی کو روکنے کے لیے مرد کو ایک سے زائد نکاح کرنے کی اجازت دی ہے۔ ایک مرد ناجائز تعلقات میں جتنا بے باک ہو سکتا ہے، شادیاں رچانے میں اتنا نہیں ہو سکتا، کیونکہ شادی کی صورت میں مرد کی ذمہ داریوں میں اضافہ ہوتا ہے اور طرح طرح کی پیچیدگیوں سے اُسے سابقہ پیش آتا ہے۔ یہ دراصل عورتوں ہی کے فائدے کے لیے ایک روک تھام ہے، نہ کہ مردوں کے لیے بے جا رعایت۔ دوسرے طریقے کا

تجربہ آج کل مغرب کی سوسائٹی کر رہی ہے۔ وہاں ایک طرف تو جائز سوکنوں کا سدباب کر دیا گیا ہے لیکن دوسری طرف ناجائز سوکنوں سے عورت کو بچانے کا کوئی انتظام اس کے سوا نہیں کیا گیا کہ وہ انہیں برداشت نہ کر سکے تو شوہر سے طلاق حاصل کرنے کے لیے عدالت میں نالش کر دے۔ کیا آپ سمجھتی ہیں کہ اس سے عورت کی مصیبت کچھ کم ہوگئی ہے؟ چھڑی چھٹانک عورت تو شاید سوکن سے بچنے کے لیے طلاق کو آسان نسخہ سمجھ لے، مگر کیا بچوں والی عورت کے لیے بھی یہ نسخہ آسان ہے؟

دوسری جس شکایت کا اظہار آپ نے کیا ہے اس کا مختصر جواب یہ ہے کہ غالباً آپ ابھی تک صاحبِ اولاد نہیں ہیں، یا اگر ہیں تو آپ کے کسی لڑکے کی ابھی... شادی نہیں ہوئی ہے۔ آپ اس خاص معاملے کو ابھی تک صرف بہو کے نقطۂ نظر سے دیکھ رہی ہیں۔ جب آپ اپنے گھر میں خود بہو لے آئیں گی اور اس معاملے پر ماں کی حیثیت سے غور کریں گی تو یہ مسئلہ اچھی طرح آپ کی سمجھ میں آجائے گا کہ بیوی کے حقوق کتنے ہونے چاہییں اور ماں باپ کے کتنے۔ بلکہ اُس وقت شاید آپ خود اُنہی حقوق کی طالب ہوں گی جن پر آج آپ کو اعتراض ہے۔

شیعہ سُنّی تنازعات

سوال: ۔جماعتِ اسلامی پاکستان ایک نہایت عظیم اور بلند مقصد لے کر اٹھی ہے۔ ہماری دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ جماعتِ اسلامی کو کامیابی دے تاکہ پاکستان میں اسلامی دستور کا بول بالا ہو۔

جس چیز کی طرف ہم آپ کی توجہ مبذول کرا رہے ہیں وہ بھی اسلام کے لیے ایک نہایت ہی بنیادی چیز ہے۔ اور مقامِ افسوس ہے کہ آپ اور آپ کی جماعت نے اس طرف کوئی توجہ نہیں کی۔ اور اسی وجہ سے یہ معاملہ آپ کی خدمت میں پیش کیا جاتا ہے۔ امید ہے کہ آپ خندہ پیشانی سے غور فرما کر جواب دیں گے۔

موجودہ دَور کچھ اس قسم کا گذر رہا ہے کہ شیعہ فرقہ انتہائی طور پر منظم ہے اور وہ متفقہ طور پر ہر جگہ اپنی تقریروں، تحریروں اور پمفلٹوں کے ذریعہ صحابہ کرامؓ پر زہر اگل رہا ہے۔ جن میں اُن کے وزراء بھی

ہماری غفلت سے فائدہ اٹھاتے ہوئے بڑھ چڑھ کر حصہ لے رہے ہیں۔ اور ہمارے لیڈرانِ کرام اور علماء حضرات آپس کی کش مکش میں اسلام کی جڑیں کھوکھلی کر رہے ہیں۔

یہ لوگ مذہبی آزادی کی آڑ میں ہر جگہ نئے نئے لائسنس عزاداری لے کر اور اُن لائسنسوں سے ناجائز فائدہ اٹھاتے ہوئے کھلے بندوں علانیہ تبرّا کر رہے ہیں۔ اگر کوئی اعتراض کرے تو اُسے گورنمنٹ کی مخالفت کہا جاتا ہے۔ کیونکہ ان کے پاس لائسنس ہوتے ہیں۔ گویا حکومت لائسنس کی آڑ میں تبرّا کروا رہی ہے۔ اور لائسنسوں ہی کی وجہ سے گورنمنٹ خود ان کی نگہداشت کرتی ہے حالات یہاں تک پہونچ گئے ہیں کہ اُن کا ہر فرد اپنے . . . فرقہ کی ترقی کے لیے جائز و ناجائز طریقہ سے اپنے خاص عقائد کو پھیلانے کے لیے پوری جد و جہد سے کام لے رہا ہے۔ اور تمام شیعہ پریس بھی تبرّا بازی پر مشتمل مضامین شائع کر رہا ہے اور ان کے علماء ہر جگہ عزاداری کی آڑ لے کر "قتل حسین در سقیفہ" کے عنوان پر تقریریں کر رہے ہیں۔ ہمارے بے علم عوام ان کی تقریریں سُن سُن کر گمراہ ہو رہے ہیں اور شیعہ فرقہ سیل رواں کی طرح ملک کے مختلف حصوں میں پھیلتا چلا جا رہا ہے۔

اب اس کے بعد ہماری حالت ہے کہ اگر کوئی مٹھی بھر علماء کی جماعت یا کوئی ادارہ ناموسِ صحابہؓ کی مدافعت کی خاطر میدانِ عمل میں نکلے تو اُس کا کام کچھ تو جماعتِ اسلامی کی تنقید کی نذر ہو جاتا ہے اور کچھ نقصان گورنمنٹ کی طرف سے بھی ہوتا ہے۔ جس کی سب سے بڑی وجہ یہ ہے کہ آپ لوگوں کی مخالفت سے گورنمنٹ بھی یہ سمجھتی ہے کہ یہ ملّا فرقہ وارانہ فساد کو ہوا دے رہے ہیں۔ اور اسی وجہ سے وہ حضرات زبان بندیوں اور پابندیوں کا شکار ہو جاتے ہیں۔ جیسا کہ المنیر جلد ۸ شمارہ ۳۶، ۱۷ ستمبر پنجہ روزہ "دعوت" لاہور کی ضمانت طلبی پر صرف صحافت کے معیار کو قائم رکھتے ہوئے ہمدردی کا اظہار کرتا ہے اور بعد میں اس طرح سے تنقید کرتا ہے کہ "یہ طریقہ کار اسلامی نقطۂ نظر سے ہمارے نزدیک زیادہ مفید نہیں ہے۔ اور ہمارا دینی مسلک اس موضوع میں معاصر سے مختلف ہے۔"

اتنے گندے ماحول میں آپ خود ہی اندازہ کریں کیا اس تنقید سے شیعہ پروپیگنڈے کی حوصلہ

افزائی نہیں ہوئی۔ حالانکہ اپنے مضمون میں المنبر نے خود یہ بھی اعتراف کیا ہے کہ "عزاداری تبرا بازی میں بدل چکی ہے"۔

ہم آپ سے مودبانہ سوال کرتے ہیں کہ ہمارے علماء کرام، سیاسی لیڈر، ادارے، اخبار اور خصوصاً آں جناب اور جماعتِ اسلامی کیوں خاموش ہیں۔ کیوں نہیں کوئی باہمی اور متفق صورت اختیار کی جاتی۔ کیا اسلامی قانون میں کوئی تبرا کرنے کی گنجائش ہے؟ اکثر مقامات اور خصوصاً نارووال میں عشرہ محرم میں کھلی جگہ پر تبرا بازی کی گئی ہے اور یہ نوحے برسرِ عام لاؤڈ اسپیکر پر پڑھے گئے ہیں:۔

آقا کے چھوڑ جنازے کو کیوں بھاگے یار سقیفہ کو | کیوں چھوڑ دیا جنازے کو قرآن کے حافظ یاروں نے
کیوں یاروں نے من بعد نبی اُس گھر پر گستاخی کی | کیوں کھایا آلِ نبی کا حق قرآن کے دعوے داروں نے
جسکے گھر سے فیض اٹھاوں اُسدے گھر نوں اگ لگا دن | کیوں دنیا حق تو بھل گئی اے، کیوں آلِ نبی دی رُل گئی اے
گئے یار سقیفہ جس دم کیا مشورہ مل کر باہم | کر و اپنی حکومت مستحکم ....

وغیرہ وغیرہ۔ یہ نوحہ جات چھپے ہوئے ہیں۔

اس کی اطلاع جب بروقت ایس ڈی او صاحب اور ڈی ایس صاحب کو دی تو انہوں نے یہ کہہ کر کہ ہم اپنی ڈائری میں لکھ رہے ہیں، ان کے پاس لائسنس عزاداری ہے، ہمیں قصوروار ٹھیرایا کہ تم جلوس میں گڑبڑ کرنا چاہتے ہو۔ ہمارے نام درج کرلیے۔ اس کے بعد جب حسبِ دستور عصر کی اذان وقتِ مقررہ پر لاؤڈ سپیکر پر دی گئی تو شیعہ کے مبلغ اعظم محمد اسمٰعیل گوجری نے دورانِ تقریر میں ہماری اذان کو یزیدی اذان سے تشبیہ دی اور کہا یہ وہی اذانیں ہیں جو کوفہ میں ہو رہی تھیں جب کہ حسینؓ کا قافلہ اسی طرح لٹا جا رہا تھا۔ اور بعد میں حضرت عائشہ صدیقہؓ پر ناجائز حملے کرنے شروع کر دیے، جو کہ بیان کرنے ہی نامناسب ہیں۔ پھر تقریر میں باغِ فدک خلافت اور حدیثِ قرطاس کے مضمون بیان کرنے شروع کیے۔

عالی جاہ! ہندستان میں اگر مذہبی رہنما کتاب چھپے جس میں نبی کریمؐ اور عائشہ صدیقہؓ کی

توہین ہو۔ تو جناب اور آپ کی جماعت اور دوسری جماعتیں اور دیگر علماء آپ کے کہنے کہانے پر متفقہ ریزولیشن پاس کر کے اس کے ضبط کرنے کے لیے غیر حکومت میں پوری جدوجہد کرتے ہیں اور بفضل خدا کامیاب بھی ہو جاتے ہیں۔ کیا اس کتاب میں کسی اور عائشہ صدیقہؓ کی توہین ہے اور شیعہ کسی اور عائشہ کی توہین کرتے ہیں؟

جواب:۔ آپ نے نارووال کے جو واقعات لکھے ہیں وہ واقعی بہت افسوسناک ہیں۔ شیعہ حضرات کا یہ حق تو تسلیم کیا جا سکتا ہے اور کیا جانا چاہیے کہ وہ اپنے مذہبی مراسم اپنے طریقہ پر ادا کریں، مگر یہ حق کسی طرح بھی تسلیم نہیں کیا جا سکتا کہ دوسرے لوگ جن بزرگوں کو اپنا مقتدا و پیشوا مانتے ہیں ان کے خلاف وہ برسر عام زبانِ طعن دراز کریں یا دوسروں کے مذہبی شعائر پر علانیہ حملے کریں۔ ان کے عقیدے میں اگر تاریخ اسلام کی بعض شخصیتیں قابل اعتراض ہیں تو وہ ایسا عقیدہ رکھ سکتے ہیں، اپنے گھروں میں بیٹھ کر وہ ان کو جو چاہیں کہیں، ہمیں ان سے تعرض کرنے کی کوئی ضرورت نہیں ہے۔ لیکن کھلے بندوں بازاروں میں یا پبلک مقامات پر انہیں دوسروں کے مذہبی پیشواؤں پر تو درکنار، کسی کے باپ کو بھی گالی دینے کا حق نہیں ہے اور دنیا کے کسی آئین انصاف کی رو سے وہ اسے اپنا حق ثابت نہیں کر سکتے۔ اس معاملے میں اگر حکومت کوئی تساہل کرتی ہے تو یہ اس کی سخت غلطی ہے، اور اس تساہل کا نتیجہ اس کے سوا کچھ نہیں ہو سکتا کہ یہاں فرقوں کی باہمی کشمکش دبنے کے بجائے اور زیادہ بھڑک اٹھے۔ دشنام طرازی کا لائسنس دینا اور پھر لوگوں کو دشنام سننے کے لیے اس بنا پر مجبور کرنا کہ اس کا لائسنس دیا جا چکا ہے، حماقت بھی ہے اور زیادتی بھی۔ حکومت کی یہ سخت غلطی ہے کہ وہ شیعہ حضرات کے مراسم عزاداری اور اس سلسلے کے جلسوں اور جلوسوں کے لیے معقول اور منصفانہ حدود مقرر نہیں کرتی اور پھر جب بے قید لائسنسوں سے ناجائز فائدہ اٹھانے کی بدولت جھگڑے رونما ہوتے ہیں تو فرقہ وارانہ کشمکش کا رونا روتی ہے۔ اس معاملے میں سنیوں اور شیعوں کی پوزیشن میں ایک بنیادی فرق ہے جسے ملحوظ رکھ کر ہی فریقین کے درمیان انصاف قائم کیا جا سکتا ہے۔ وہ یہ کہ شیعہ جن کو بزرگ مانتے ہیں وہ سنیوں کے بھی بزرگ ہیں اور سنیوں کی طرف سے ان پر کسی طعن و تشنیع کا سوال پیدا ہی نہیں ہوتا۔ اس کے برعکس سنیوں کے عقیدے

میں جن لوگوں کو بزرگی کا مقام حاصل ہے ان کے ایک بڑے حصہ کو شیعہ نہ صرف یہ کہ برا سمجھتے ہیں بلکہ انھیں برا کہنا بھی اپنے مذہب کا ایک لازمی جز قرار دیتے ہیں۔ اس لیے حدود مقرر کرنے کا سوال صرف شیعوں کے معاملے میں پیدا ہوتا ہے۔ انھیں اس بات کا پابند کیا جانا چاہیے کہ بدگوئی اگر ان کے مذہب کا کوئی جز و لازم ہے تو اسے اپنے گھر تک محدود رکھیں۔ پبلک میں آکر دوسروں کے بزرگوں کی برائی کرنا کسی طرح بھی ان کا حق نہیں مانا جا سکتا۔

میرا خیال یہ ہے کہ اس معاملہ کو اگر معقول طریقے سے اٹھایا جائے تو خود شیعوں میں سے بھی تمام انصاف پسند لوگ اس کی تائید کریں گے اور ان کے شر پسند طبقے کی بات نہ چل سکے گی۔ حکومت کو بھی بآسانی اس بات کا قائل کیا جا سکے گا کہ شیعہ حضرات کو ان کے مذہبی مراسم کی ادائگی کے معاملے میں، جہاں تک کہ پبلک میں ان کے ادا کرنے کا تعلق ہے، حدود کا پابند بنانے کی ضرورت ہے۔ یہ حدود بھی گفت و شنید سے طے ہو سکتے ہیں۔ اس مسئلے کو کسی ایجی ٹیشن کی بنیاد بنانے کے بجائے اس طریقے سے حل کرنا زیادہ مناسب ہے۔ میں اپنی حد تک اس خدمت کی انجام دہی کے لیے جو کچھ کر سکتا ہوں اس میں ان شاء اللہ دریغ نہ کروں گا۔

ائمہ اربعہ اور اہل بیت

سوال: ترجمان ستمبر ۵۶ء میں ایک سوال کے جواب میں آپ نے لکھا ہے کہ "صرف اہل بیت سے علمی استفادہ کرنے کا طریقہ تو خود اہل بیت نے بھی اختیار نہ کیا۔ وہ جس جس کے پاس علم پاتے تھے اس سے استفادہ کرتے تھے"۔ میرے ناقص مطالعہ میں آج تک یہ بات نہیں آئی اور نہ کبھی کسی سے ایسا سنا ہے۔ آپ اس کے ثبوت میں چند معتبر کتب کے حوالے دیں تاکہ مدعا زیادہ واضح ہو جائے۔

مزید سوال صحیح بخاری ’کتاب الفتن‘، باب الاستخلاف کی ایک حدیث سے متعلق ہے۔

حدیث یہ ہے عن جابر بن سمرۃ قال سمعت النبی صلی اللہ علیہ وسلم یقول یکون اثنا

عشر امیرا فقال کلمۃ لم اسمعہا فقال ابی انہ قال کلھم من قریش

اس حدیث میں جن بارہ امراء کا ذکر ہے وہ کون لوگ ہیں۔ اہل تشیع میں سے اثنا عشری حضرات ان سے مراد اپنے بارہ امام لیتے ہیں۔ کیا ان کا یہ استدلال آپ کے نزدیک صحیح ہے ؟

جواب : حضرات شیعہ کی کتبِ حدیث پر تو میری اتنی نگاہ نہیں ہے کہ میں ان کے بارے میں یقین کے ساتھ کوئی بات کہہ سکوں مگر اہل سنت کی کتب حدیث میں بکثرت روایات ایسی موجود ہیں جو بزرگان اہل بیت نے غیر اہل بیت صحابہ یا تابعین یا تبع تابعین سے روایت کی ہیں۔ مثلاً بخاری و مسلم میں متعدد احادیث امام جعفر صادق نے محمد بن منکدر اور عطاء بن ابی رباح سے روایت کی ہیں۔ امام محمد الباقر نے بہت سی احادیث جابر بن عبداللہ ابو مرہ مولیٰ عقیل بن ابی طالب، عبداللہ بن ابی رافع، سعید بن مسیب اور یزید بن ہارون سے روایت کی ہیں۔ امام زین العابدین نے بہت سی احادیث حضرت صفیہ ام المومنین، مسور بن مخرمہ، سعید بن مرجانہ، عمر بن عثمان اور دوسرے اصحاب سے روایت کی ہیں۔ خود حضرت علی نے ایک روایت مقداد بن اسود سے نقل کی ہے جو مسلم میں ملتی ہے۔ یہ تو صرف بخاری و مسلم کی روایات ہیں۔ دوسری کتب کا استقصا کیا جائے تو مزید احادیث اسی نوعیت کی ملیں گی۔ بہرحال یہ امر واقعہ ہے کہ بزرگان اہل بیت نے علم کے معاملہ میں کبھی نہ تعصب برتا ہے اور نہ خاندانی فخر و غرور سے کام لیا ہے۔

بخاری کی جس حدیث کے بارے میں آپ نے سوال کیا ہے یہ حدیث کتاب الفتن میں نہیں بلکہ کتاب الاحکام میں ہے اور اس کا اندراج باب الاستخلاف میں نہیں بلکہ اس کے بعد کے ایک باب میں ہے جو بلا ترجمہ درج ہوا ہے یعنی اس پر کوئی عنوان نہیں ہے۔ بخاری میں یہ روایت بہت مختصر ہے، لیکن مسلم، ابوداؤد، ترمذی اور طبرانی وغیرہ میں اسی مضمون کی متعدد روایات موجود ہیں جو پوری تفصیل بیان کرتی ہیں اور ان سے اصل مفہوم کی وضاحت ہو جاتی ہے۔ ان روایات کا خلاصہ یہ ہے کہ بارہ خلفاء یا امراء (الفاظ مختلف ہیں) کے دور تک اسلام زبردست اور طاقت ور رہے گا، امت ایک نظام میں مجتمع رہے گی اور کسی کی عداوت ان کا کچھ نہ بگاڑ سکے گی۔ مسلمانوں کی تاریخ کو سامنے رکھتے ہوئے مختلف امراء پر اس پیشین گوئی کا اطلاق کیا جا سکتا ہے اور بعض لوگوں نے اس کی کوشش بھی کی ہے۔ لیکن بہرحال ان تفصیلات سے یہ بات

صاف معلوم ہو جاتی ہے کہ ان کا اطلاق ان بارہ اماموں پر نہیں ہوتا جنہیں اہل تشیع ائمہ معصومین مانتے ہیں